اخلاق حسین قاسمی
مہتمم جامعہ رحیمیہ دہلی

عبدیتِ کاملہ: حضورؐ کا منصبِ خاص

یوں تو خدا تعالیٰ نے اپنے تمام رسولوں کو عبدیت کی صفت سے یاد کیا ہے، لیکن رسولِ آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم کو جس انداز سے عَبۡد کہہ کر پکارا ہے وہ انداز یہ بتا رہا ہے کہ صفتِ عبدیت آپؐ کا خصوصی وصف اور ممتاز منصب ہے۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تذکار کے جتنے اہم مواقع قرآن کریم میں موجود ہیں ان تمام موقعوں پر خداوندِ عالم نے آپ کو عبدیت کی صفت سے ہی یاد فرمایا ہے۔

(۱) الفرقان یعنی قرآن کریم کے نزول کا ذکر کیا تو عَلٰی عَبۡدِہٖ — فرمایا۔

(الفرقان نمبر ۱)

(۲) مقام اسرار و معراج کا ذکر کیا تو — بِعَبۡدِہٖ — کہہ کر اس داستانِ حقیقت کو بیان کیا۔ (سورہ اسراء نمبر ۱)

(۳) آیاتِ بینات اور معجزات کا ذکر کیا تو — عَلٰی عَبۡدِہٖ — فرمایا

(الحدید : ۹)

(۴) آپؐ کی عبادت کا ذکر کیا تو — لَمَّا قَامَ عَبۡدُ اللّٰہِ — فرمایا۔

(الجن : ۱۹)

(۵) معراج کے موقعہ پر جو رازدارانہ ہمکلامی ہوئی اس میں — فَاَوۡحٰۤی اِلٰی عَبۡدِہٖ مَاۤ اَوۡحٰی — فرمایا۔ (النجم ۱۰)

(۶) دشمنوں کے مقابلہ میں اپنی غیبی مدد کا اعلان اسی وصف خاص کے ساتھ کیا۔
— اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ — (الزمر : ۳۶)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی صفتِ عبدیت کے ساتھ اپنی نبوت کا اقرار کرایا
اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ
مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے جدید علم کلام کی اپنی مشہور کتاب "آب حیات" میں لکھا ہے کہ عبدیتِ مطلقہ (عبدیتِ کاملہ) حضور اکرم کا منصبِ خاص ہے اور اس منصب میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپؐ کے نائب ہیں۔

حضرت نانوتوی کے اس نظریہ کی روشنی میں قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا گہرا مطالعہ اس نتیجہ پر پہنچاتا ہے کہ عبدیتِ نبویؐ کا وصف چند حقائق کا اعلان کرتا ہے :

(۱) عبدیت ـــــ اخلاقی نقطہ نظر سے آپ کی تواضع اور کسرِ نفسی کا اظہار ہے
(۲) عبدیت ـــــ دینی نقطۂ نظر سے تکمیل دین کا اعلان
(۳) عبدیت ـــــ سیاسی نقطۂ نگاہ سے شورائی خلافت کے آغاز کا اعلان ہے۔
(۴) عبدیت ـــــ علامہ اقبال کی عارفانہ نکتہ آفرینی میں حضور کے لئے کمال محبوبیت کا اعلان ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عبدیت تواضع اور کسرِ نفسی کے مفہوم میں آپ کی پوری اخلاقی زندگی میں نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

اس موقع پر اس کی تفصیل میں نہیں جانا۔

اسی طرح عبدیتِ کاملہ سے تکمیلِ دین کا مفہوم بھی واضح طور پر سمجھ میں آتا ہے۔
عبدِ کامل یعنی کامل فرمانبردار وہی ہو سکتا ہے جس کے پاس عبادت و عبودیت کے کامل احکام و فرمان موجود ہوں۔

اور آپؐ کے پاس خدا کا آخری اور مکمل دین موجود تھا جس کی تعمیل نے آپؐ کے اسوۂ حسنہ کو انسانوں کے لئے زندگی گذارنے کا مکمل نمونہ بنا دیا۔

اسی وصفِ خاص کو قرآن کریم نے ـــــ اوّل المؤمنین ـــــ کے لقب سے پیش کیا ہے۔ اور شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی کے ترجمہ کے مطابق اوّلیت سے اوّلیت رتبی (مرتبہ کی اوّلیت وفضیلت) کی طرف اشارہ ہے۔

دوسرے علمائے تفسیر نے اوّلیت سے اوّلیتِ زمانی مراد لی ہے۔
عبدیت کی مذکورہ چار تفسیروں میں بعد کی دو تفسیریں زیادہ غور طلب ہیں۔ آئیے

ان پر غور کریں۔

عبدیت کا سیاسی پہلو

عبدیت سے سیاسی نظام اسلامی کی شورائیت پر استدلال مشہور فلسفی مفسّر امام فخر الدین رازی (متوفی ۶۰۶ھ) نے کیا اور پھر امام کے بعد حافظ ابن کثیر دمشقی (متوفی ۷۷۴ھ) نے اس کی مزید وضاحت کی۔ اس استدلال کی بنیاد حضرت سلیمان علیہ السّلام کی مشہور دعا اور خدا تعالیٰ کی طرف سے اس دعا کی قبولیت کے الفاظ ربّانی ہیں:

حضرت سلیمان کی دعا یہ ہے:-

رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّاب

(ترجمہ) اے پروردگار! معاف فرما، مجھے ایسی سلطنت دے جو میرے بعد (یا میرے سوا) کسی کے لائق نہ ہو۔ بے شک تو اصل داتا ہے۔

حضرت سلیمان کی یہ دعا اس شکل میں قبول ہوئی کہ ہوائیں اور جنات ان کے تابعِ فرمان کر دیئے گئے۔

پھر اس عظیم سلطنت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت حق تعالیٰ نے سلیمان علیہ السّلام سے فرمایا:

هٰذَا عَطَاۤؤُنَا فَامْنُنْ اَوْ اَمْسِكْ بِغَيْرِ حِسَاب

(ترجمہ) یہ ہماری خاص عطاء و انعام ہے۔ اے سلیمان! اسے دو یا روک کر رکھو، تم پر کوئی گرفت نہیں۔

محقق ابن کثیر نے اس کی تفسیر میں یہ عبارت تحریر کی،

ای هٰذا الذی اعطیناك من الملك التام والسلطان الکامل کما سألتنا فأعط من شئت و احرم من شئت فهو صواب۔

(ترجمہ) اے سلمان! یہ مکمل اقتدار اور کامل سلطنت ہم نے تم کو عطا کی جیسا کہ تم نے سوال کیا تھا۔ پس جس کو چاہو دو، جس کو چاہو محروم کر دو، تم پر کوئی دارو گیر نہیں، یعنی تم جو بھی کرو، وہ تمہارے لئے جائز ہے اور تم جو فیصلہ کرو وہ درست ہے

اس کے بعد صحیحین کی حدیث نقل کرتے ہیں۔

ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لما خیر بین ان یکون عبداً رسولا وھو الذی یفعل ما یعد بہ وانما ھو قاسم یقسم بین الناس کما امرہ اللہ تعالیٰ بہ وبین ان یکون نبیاً ملکاً یعطی من یشا ویمنع من یشا بلا حساب ولا جناح (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۳۹)

(ترجمہ) خدا تعالیٰ نے حضورؐ کو اختیار دیا کہ وہ عبد رسول کا مقام اختیار کریں یا عبد ملک کا عبد رسول وہ ہے جو حکم الٰہی کے مطابق چلے اور لوگوں کے درمیان —— علم و دولت —— تقسیم کرے، حکم الٰہی کے مطابق۔ عبد ملک وہ ہے جو جس کو چاہے دے اور جسے چاہے نہ دے اس پر نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ دار و گیر ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا منصب اختیار کر لیا۔

اس کے بعد ابن کثیر فیصلہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

پہلا مقام —— عبدیت والی رسالت —— خدا کے نزدیک ارفع و اعلیٰ ہے اگرچہ دوسرا مقام —— ملوکیت والی رسالت —— بھی دنیا اور آخرت میں عظیم المرتبت ہے ——

علامہ ابن کثیر نے یہ بتایا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خودمختار بادشاہی کے مقابلہ میں نیابت الٰہیہ کا منصب اختیار کیا۔

رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم خلیفۃ اللہ تھے، حکم الٰہی کے تحت آپ اپنے رفقاء سے مشورہ لینے کے لئے مامور تھے —— وشاورھم فی الامر ——

مشورہ اور شوریٰ کی اہمیت قرآن کریم کی تعلیمات کی خصوصیات میں داخل ہے، کسی آسمانی کتاب میں اس کی اہمیت موجود نہیں۔ اور نہ کسی پیغمبر کی زندگی کے واقعات میں مشورہ کی اتنی اہمیت نظر آتی ہے ——

اس تفسیر پر اشکال علامہ ابن کثیر اور امام رازی کی اس تفسیر پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا اور اس کے جواب سے تو کیا نہ خودمختاری کا جواز —— بلکہ فضیلت بھی —— ثابت ہوتی ہے۔ حالانکہ دین توحید

۔۔۔۔۔۔۔جو تمام رسولوں کا دین تھا ۔۔۔۔ کسی انسان کی خود مختاری کو اور بااختیار ملوکیت کے تصور کو توحید کے منافی قرار دیتا ہے۔

اس دنیا میں ہر انسان، خواہ وہ حکمران ہو یا ایک عام آدمی ۔۔۔۔ مالک حقیقی کی عطا کی ہوئی دولت علم و زر کا امین ہے۔ نگران ہے، مالک نہیں۔

ملکیت کا تصور ۔۔۔ قارونی تصور ہے جو اس نے حضرت موسیٰ کے مقابلہ میں پیش کیا تھا۔ احسن کما احسن اللہ علیک ۔۔۔۔ کے جواب میں کہتا ہے ۔۔۔ انما اوتیتہ علی علم عندی ۔۔۔۔ یہ دولت و اقتدار میرے علم و ہنر کا ثمرہ ہے، کسی کا احسان نہیں ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے حضرت آدم سے لے کر حضرت یوسف، طالوت حضرت داؤد و سلیمان ۔۔۔۔ سب خدا کے مقرر کردہ تھے، روحانی اور اخلاقی رہنمائی اور اجتماعی اور سیاسی قیادت پر مامور کئے گئے تھے۔

حضور علیہ السلام بھی مالک حقیقی کی طرف سے مامور و مقرر ہوئے۔ چونکہ آپ آخری مامور من اللہ تھے اور آپ کے بعد خدا کی طرف سے تقرر و ماموریت کا سلسلہ ختم ہو رہا تھا۔ اس لئے اب شوریٰ کی اہمیت لازمی تھی۔

چنانچہ آپ نے اپنے بعد اپنے جانشین کے انتخاب کا معاملہ شوریٰ کے سپرد کر دیا۔ کیونکہ آپ کو اپنی طرف سے تقرر کا حق نہیں دیا گیا تھا ۔۔۔۔۔ اس طرح اب مکمل معنی میں شوریٰ کے دور کا آغاز ہوا۔

ان قدمائے مفسرین کی تشریح کے مطابق بعد کے علماء تفسیر نے بھی اسی کے مطابق تفسیر کی اور یہ اشکال اور زیادہ واضح ہو گیا۔

مولانا اشرف علی تھانوی کے الفاظ یہ ہیں:۔

"دوسرے سلاطین مال و دولت کے محض امین و خازن ہوتے ہیں لیکن حضرت سلیمان کو اس مال و دولت کا مالک بنایا گیا۔ (بیان القرآن سورہ ص)

مفتی محمد شفیع صاحب نے معارف القرآن میں اس اشکال کو محسوس کیا اور ان الفاظ میں اس کی وضاحت فرمائی۔

"عام حالات میں سیاسی اقتدار اور مال و دولت کی ایسی طلب کو پسندیدہ نہیں کہا گیا۔

حدیث میں اس کی ممانعت آئی ہے لیکن اگر اقتدار کا مقصد حق کی سربلندی ہو تو یہ دعا مطلوب حق بن جاتی ہے۔ (خلاصہ معارف جلد ۷ صد ۵۱۹)

مولانا شبیر احمد عثمانی کے ہاں اس کا تسلی بخش جواب ملتا ہے۔ مولانا نے لکھا :

"حضرت سلیمان علیہ السلام کا زمانہ جابر بادشاہوں کا زمانہ تھا۔ آپ نے دین حق کی سربلندی کے لیے یہ معجزہ طلب کیا اور ایسی حکومت کی دعا کی جو جابر بادشاہوں کا سرِ غرور جھکا دے ـــــ اور ایسا ہی ہوا۔" (حمائل ۵۱۱)

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب محدث دہلوی نے اپنے مختصر تفسیری حاشیہ میں اس اشکال کو دور کرنے کے لیے یہ لکھا۔

"یہ اور مہربانی کی کہ اتنی دنیا دی اور مختار کر دیا، معاف کر کر، لیکن وہ کھاتے تھے اپنی ہاتھ کی محنت سے ٹوکری بنا کر۔" (سورہ ۳۹ پارہ آیت پر حاشیہ)

شاہ صاحب نے اس امر کی طرف اشارہ کیا ہے کہ ہر معجزہ یا ـ آزمائش بھی ہوتا ہے ـ حضرت سلیمان علیہ السلام نے خوش حالی کے فتنہ اور تمول کی آزمائش سے بچنے کے لیے ایک مزدور بندہ کی طرح ذاتی زندگی گذاری۔

آپ فرمایا کرتے تھے : هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ لِيَبْلُوَنِيْٓ ءَاَشْكُرُ اَمْ اَكْفُرُ ـــــ یہ میرے رب کا فضل و کرم ہے۔ وہ مجھے آزمانا چاہتا ہے کہ میں شکر گذاری کی زندگی گذارتا ہوں یا ناشکری کی زندگی ـــــ

مودودی صاحب کی تاویل

بہر حال اب زیرِ غور مسئلہ کی طرف آئیے ـــــ زیرِ غور آیات کی جو تفسیر جمہور مفسرین نے کی ہے۔ مولانا ابو الاعلیٰ صاحب مودودی اس سے مطمئن نظر نہیں آتے۔

مودودی صاحب نے دعا سلیمان کی جو تاویل کی وہ حسب ذیل ہے :

ان کے دل میں (حضرت سلیمان کے) غالباً یہ خواہش تھی کہ ان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہو اور حکومت انہی کی نسل میں رہے ـــــ لیکن جس بیٹے کو وہ اپنی کرسی پر بٹھانا چاہتے تھے وہ کندۂ ناتراش تھا ـــــ جس کا رجعام نام تھا۔ تب انہوں نے اس خواہش سے رجوع کیا اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ کر درخواست کی کہ بس یہ بادشاہی مجھی پر ختم ہو جائے۔ میں اپنے بعد اپنی نسل میں

بادشاہی باری رہنے کی تمنا سے باز آیا ۔ (مختصر تفہیم القرآن ۸۴۷)

آئیے اس تاویل کا تجزیہ کریں ۔

(۱) سب سے پہلے قرآنی الفاظ اور سیاق و سباق لیجئے

قرآن کریم میں لا احد من بعدی کے الفاظ عام ہیں اگر حضرت سلیمان اپنے بیٹے کے لئے یہ دعا ـــ جو درحقیقت بددعا ہے ـــ کرنا چاہتے تھے تو اس کا جواب واضح طور پر یہ ہوتا کہ اے سلیمان! ہم نے تمہاری دعا قبول کی اور یہ عظیم سلطنت تم پر ہی ختم ہو جائیگی

لیکن قرآن کریم کا جواب دوسرا ہے ـــ ھذا عطاؤنا ..... الخ

اللہ تعالے نے وہ دعا سلیمان کی زندگی میں ہی قبول فرمائی ـــ اور اسے اپنا خاص عطیہ قرار دیا ۔

(۲) حدیث صحیح میں آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے شیطان کو گرفتار کرنے سے گریز کیا، جبکہ وہ ایک رات حضورؐ کی نماز میں خلل ڈالنے کی کوشش کرنے لگا۔ صبح اٹھ کر آپؐ نے فرمایا

رات کو ایسا واقعہ پیش آیا، میں شیطان کو پکڑ کر باندھ دیتا مگر مجھے اپنے بھائی سلیمان کی دعا ـــ رب ھب لی ملکا .... الخ ـــ یاد آگئی ۔

فذکرت دعوۃ اخی سلیمان ـــ اور میں نے شیطان کو چھوڑ دیا ۔

(بخاری کتاب الانبیاء)

حضورؐ کا مطلب یہ تھا کہ جنات اور شیاطین پر قدرت، یہ حضرت سلیمان کی خاص فضیلت تھی۔ جس کی انہوں نے اس دعا میں طلب کی تھی ۔ میں بطور معجزہ شیطان کو پکڑ سکتا تھا لیکن لوگوں کو میرے اس جزوی واقعہ سے غلط فہمی پیدا ہوتی، اس لئے میں نے ایسا نہیں کیا ۔

ـــ اس سے دعا سلیمان کا مطلب واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت سلیمان زندگی میں ایک مثالی اقتدار کے طالب ہوئے ـــ

مودودی صاحب نے بائبل کے حوالے سے یہ تاویل کی ہے لیکن توراۃ میں اس کی تصریح موجود ہے کہ حضرت سلیمان کے بعد ان کا بیٹا جانشین ہوا ۔

"سلاطین ۔ حرّت کہ سلیمان نے یروشلم پر حکومت کی چالیس برس کی تھی اور سلیمان اپنے باپ دادا کے ساتھ سو رہا اور ان کے شہر صیہون میں گاڑھ دیا گیا اور اس کا بیٹا

احتمام اس کی جگہ بادشاہ ہوا ۔"

(قصص القرآن جلد ۴ صـ۲۷ بحوالہ سلاطین باب ، آیات ۴۲ - ۴۴)

اللہ عزل حق رحمت کرے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کو ، مرحوم اس تاویل میں بہت آگے نکل گئے ۔ لیکن جہاں تک اس تاویل کے منشاء و محرک کا سوال ہے تو وہ نہایت پاکیزہ ہے اور وہ عقیدۂ توحید کی حفاظت کا جذبہ ہے ۔

ایک خالص توحیدی ذوق پر یہ تصوّر گراں گذرتا ہے کہ ایک داعیٔ توحید نبی و رسول اپنے لئے ملوکانہ اقتدار کا سوال کرے اور خدا تعالیٰ اسے وہ عطا بھی فرما دے ۔

مودودی صاحب کے ذوق نے معجزہ کے طور پر بھی اسے تسلیم نہیں کیا ۔

اسے زبردست احتیاط پسندی ہی کہنا چاہیئے ـــــ

یہ بحث ہمیں رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بارے میں بھی ملتی ہے ۔ آپؐ کے لئے قرآن کریم نے کہا ـــــ النبی اولی بالمومنین من انفسھم (احزاب ۶) ۔ اس آیت میں اہل ایمان کی جانوں پر رسول پاکؐ کی ولایت کا اعلان کیا گیا ہے ۔

شاہ ولی اللہ نے اولیٰ کا ترجمہ متصرّف کیا ہے ـــــ پھر اس مفہوم کی بنیاد پر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے آبِ حیات میں حضورؐ کی مالکیت کا مستقل فلسفہ مرتب کیا اور آپؐ کے لئے دوسرے درجہ کی مالکیت کی اصطلاح وضع کی اور پھر یہی تصوّر زیادہ پھیل کر ایک طبقہ کے ہاں حضورؐ کے مالک و مختار ہونے کے عقیدہ میں ڈھل گیا ۔

لیکن شاہ ولی اللہ صاحب کے دوسرے صاحبزادوں نے ابہام شرک سے آیت کے مفہوم کو بچانے کے لئے ۔ متصرّف کے لفظ سے گریز کیا ،

شاہ رفیع الدین صاحب نے اولیٰ کا ترجمہ شفقت (محبت) کیا اور شاہ عبدالقادر صاحب نے ـــــ لگاؤ ـــــ ترجمہ کیا ۔

لغت عربی میں ولادیت کا یہ مفہوم بھی آتا ہے ـــــ

شاہ عبدالقادر صاحب نے تفسیری حاشیہ میں اپنے والد کے لفظ متصرف کا مطلب واضح کرتے ہوئے لکھا ـــــ

"نبی نائب ہے اللہ کا ، اپنی جان و مال میں اپنا تصرّف نہیں چلتا ، جتنا نبی کا کا چلتا ہے ۔"

یعنی نبی کا تصرف نائب خدا کی حیثیت سے ہے اور نائب کا تصرف مالکِ حقیقی ہی کا تصرف ہوتا ہے۔ اسی کے حکم کے تحت ہوتا ہے۔

مولانا اشرف علی تھانوی نے اولیٰ کا تیسرا مفہوم اختیار کیا اور اولیٰ کا ترجمہ ہیا۔ مقدم۔ کا لفظ لکھا ـــــ اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی صاحب نے تھانوی صاحب کی پیروی اختیار کی اور لفظ مقدم کے مطابق ترجمہ کیا۔

عبدیتِ رسولؐ، علامہ اقبال کے ہاں !!

علامہ اقبالؒ نے عبدیتِ رسولؐ کی تشریح ایک عارفانہ پیرایہ میں کی ہے، فرماتے ہیں:

عبدِ دیگر، عبدہٗ چیزے دگر ما سراپا انتظار، او منتظر !!

شارح اقبالیات نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ ہماری عبدیت یہ ہے کہ ہم سراپا طلب ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سراپا مطلوب ہیں۔

علامہ نے شریعت کی ایک خاص اصطلاح کو عشق و محبت کی جس تعبیر میں بیان کیا ہے اسی پر بڑی دلچسپ بحث چھڑ سکتی ہے۔

مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کسی نے سوال کیا کہ حضرت علی اور حضرت عمر کے درمیان کون افضل ہے۔ شاہ صاحب بڑے حاضر جواب اور ذہین تھے۔ آپ نے عقلی اور نقلی ـــــ دونوں قسم کی دلیلوں سے دامن بچا کر محبت کی اصطلاح میں جواب دیا۔ اور فرمایا:

"حضرت علی مرید تھے اور حضرت عمر مراد تھے۔"

یعنی حضرت علی طالب تھے خود حق کی طرف آئے اور حضرت عمر مطلوب تھے انہیں حق کی طرف لایا گیا۔

شاہ صاحب نے اس دعا کی طرف اشارہ کیا جس میں رسولِ برحق صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے کی دعا کی تھی۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ بیان کیا گیا ہے کہ آپ نے حضرت عمرؓ کی فضیلت حضرت علی پر بیان فرمائی۔

شاہ صاحب نے تصوّف کی جس اصطلاح میں جواب دیا اسی اصطلاح کے مطابق شاہ صاحب کے جواب پر تنقید کی گئی ہے ۔

طریقت و محبت کی دنیا کے امام مولانا جلال الدین رومی ہیں ۔ مولانا نے مثنوی میں مرید و مراد اور طالب و مطلوب کے باطنی رشتہ کی گرہ کشائی کرتے ہوئے فرمایا :

ہیچ عاشق خود نباشد وصل جو ۔۔۔ کہ نہ معشوقش بود جویائے او
میلِ معشوقاں نہانست و ستیر ۔۔۔ میلِ عاشق باد و صد طبل و نفیر

کوئی عاشق وصل کی جستجو اسی وقت کرتا ہے جب معشوق کے اندر جستجو پیدا ہوتی ہے ۔ فرق اتنا ہے کہ معشوق کی طلب پوشیدہ ہوتی ہے اور عاشق کی طلب غل شور مچاتی ہوئی آتی ہے ۔

اردو کے سب سے پہلے شاعر ولی دکنی نے عشق و حسن کے باطنی رشتہ کا ان لفظوں میں اظہار کیا ہے ۔ ولی کہتا ہے :

عشق بے تابِ جاں گذاری ہے ۔۔۔ حُسن مشتاق دل نوازی ہے ۔!

دلی کے صوفی مزاج شاعر مخمور دہلوی نے نہایت سادہ زبان اور عام فہم پیرایہ میں کہا ہے ۔

میری طلب بھی انہی کے کرم کا صدقہ ہے ۔۔۔ یہ آگ لگتی نہیں ہے، لگائی جاتی ہے

حیدر دہلوی جو اب کراچی میں آسودۂ رحمت ہیں فرماتے ہیں اور اپنے خاص البیلے انداز میں فرماتے ہیں ۔

جمال خود بیں تو دیکھ اپنا جنونِ الفت سے اڑنے والے
میرا گریباں پھٹا ہوا ہے یا پھٹ پڑا ہے شباب تیرا!

اب فیصلہ کیجئے کہ طالب و مطلوب میں کیا فرق رہا ۔ مرید اور مراد میں کسے افضل کہا جائے ؟

علامہ اقبال تو ایک عارفانہ نکتہ بیان کر کے چلے گئے لیکن مسئلہ وہیں کا وہیں رہا ۔

اصحابِ شریعت نے عبدیتِ رسولؐ کی جو تشریح کی وہ ہر طرح کے ردّ و قدح سے پاک ہے ۔

لفظ عبد کے ترجمہ میں احتیاط

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے عبد کا لفظ بطور اصطلاح ایک خاص مفہوم میں بولا گیا ہے تو ضروری ہوا کہ اس لفظ کے ترجمہ میں اس کا لحاظ رکھا جائے ۔ اہلِ تراجم خواہ فارسی والے ہوں یا اردو والے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں اور اسی لئے اس لفظ کا ترجمہ " بندہ " کرتے ہیں " غلام " نہیں کرتے ۔

بندہ فارسی کا لفظ ہے ۔ فارسی میں بندگی کے دو معنیٰ آتے ہیں ، کامل فرماں برداری اور غلامی ـــــ اہلِ تراجم نے پہلے مفہوم میں عبد کا ترجمہ بندہ کیا ۔

مولانا اشرف علی صاحب تھانوی نے عبد سے عبد کامل ، فردِ کامل مراد لے کر اس لفظ کا ترجمہ " بندۂ خاص " کیا ہے اور یہ بہت اچھا ترجمہ ہے جس میں مولانا تھانوی منفرد نظر آتے ہیں

اَلرَّسُول بھی اصطلاحی لفظ ہے

قرآن کریم نے عبد کی طرح رسول پاک کے لئے " الرسول " کا لفظ بھی لغوی معنٰی میں استعمال نہیں کیا بلکہ اصطلاحی مفہوم میں استعمال کیا ہے ۔

قرآن کریم نے الرسول کا لفظ جس جامع مفہوم میں استعمال کیا ہے وہ یہ ہے :

(۱) زبان سے خدا کا پیغام سنانے والا ۔ یہ تبلیغ ہے (المائدہ ۶۷)

(۲) اپنے عمل و فعل سے سمجھانے اور یقین دلانے والا ، یہ شہادت ہے (الحج ۷۸)

(۳) خدا کے پیغام کی تشریح اور تفسیر کرنے والا ، اسے تبیین کہتے ہیں (النحل ۴۴)

غور کیجئے !

کسی عجمی زبان میں الرسول کے اصطلاحی لفظ کا ترجمہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے ۔

یہی وجہ ہے کہ اہلِ تراجم میں شاہ عبدالقادر صاحب محدّث دہلوی نے الرسول کا ترجمہ کسی فارسی اردو یا عربی لفظ سے نہیں کیا ـــــ یہ شاہ صاحب کی الہامی اور وہبی قرآن فہمی کا کمال ہے

(باقی صفحہ ۵۹ پر)

لے عبد کی چھ آیتوں میں سے پانچ آیتوں میں بندۂ خاص لکھا ۔ صرف ایک آیت (اسراء میں اس کا خیال نہیں رہا ۔